بینٹ کی نوک پر چھوٹا سا سانپ چڑھا ہوا باہر نکلا۔ رانفلوں کی نالیوں سے اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا گیا۔ بیلچوں سے کچو کے لگائے گئے اور متفقہ رائے کا اظہار کیا گیا:

''بڑا زہریلا ہے۔'' پھر اس کا قاتل اسے بینٹ میں اٹکا کر آگے بڑھ گیا۔ چار ڈبے آگے جا کر وہ رکا اور اسے دروازے میں کھڑے سپاہیوں کی طرف بڑھا دیا۔

''لو بھو پالیو۔ ایک تحفہ لایا ہوں۔''

''کیا ہے؟'' دروازے میں سے کسی نے پوچھا۔ وہاں پر اندھیرا تھا۔

''بلوچیوں نے بھیجا ہے۔''

ایک جا کر اندر سے لالٹین اٹھا لایا۔ دروازے میں کھڑا ہوا سپاہی اپنے چہرے کے اتنا قریب سانپ کی شکل دیکھ کر چونک کر پیچھے ہٹا۔ اوپر اور نیچے قہقہے بکھر گئے۔

''سور'' اس نے بوٹ کی ٹھوکر سے سانپ کو دور اچھال دیا۔

''ہم بھی جلد ہی تمہیں ایک تحفہ بھیجیں گے۔''

''یہ کون سی رجمنٹ ہے۔'' عبداللہ نے چلتے چلتے پوچھا۔

''نمبر ۲ بھوپالی......''

آگے [illegible] دروازوں سے باہر نکلی تھیں اور سپاہی ان پر ٹانگیں رکھے سو رہے تھے۔ آگے زخمیوں کو اٹھانے والی کمپنی تھی۔ وہ سٹریچروں کے انبار کے سہارے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اس سے آگے گھوڑوں کے دو ڈبے تھے جو منہ باہر نکالے گھاس کھا رہے تھے۔

''جانوروں کو زنجیر کی ضرورت نہیں پڑتی۔'' عبداللہ نے ہنس کر زیرِ لب کہا۔

مخالف سمت سے آنے والی گاڑی سیٹی بجاتی ہوئی زن سے گزر گئی۔ اس کے زیادہ تر کمروں میں تیز روشنی تھی اور پنکھے چل رہے تھے۔ مسافر اخبار پڑھ رہے تھے، سو رہے تھے اور باہر دیکھ رہے تھے۔ ایک ادھ ننگی سفید فام عورت چمڑے کے بکسوں کے سہارے بیٹھی قہوہ پی رہی تھی۔ برف چوستا ہوا ایک موٹا آدمی حیرت سے فوجیوں کی گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔ پچھلی رات کی نشہ آور نم دار ہوا عبداللہ کے چہرے سے ٹکرائی اور وہ پلٹ آیا۔

''تم نے گاڑی دیکھی؟'' ڈبے پر لٹک کر چڑھتے ہوئے اس نے نعیم سے پوچھا۔

''ہاں۔''

''اس میں ایک عورت تھی۔''

''اچھا......؟'' نعیم نے مسکرا کر کہا۔

وہ اپنا اپنا بستر کھولنے لگے۔ کہانی سنانے والا پنجابی کان پر ہاتھ رکھ کر ہیر گا رہا تھا۔ باقی سپاہی سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ چار بجے کے قریب زیادہ تر لوگ سو چکے تھے۔ جو نہیں سوئے تھے وہ نیند سے بھرائی ہوئی آواز

UrduPhoto.com

میں باتیں کر رہے تھے اور اپنا اپنا آخری سگریٹ پی رہے تھے۔

کراچی سے وہ ایچ۔ ایم۔ ایس۔ ویموتھ میں سوار ہوئے۔ جہاز کی اوپری منزل میں کمپنی کو جگہ ملی۔ ان کے ساتھ والے کمروں میں مشین گن ڈی ٹچمنٹ تھی۔ نیچے کی منزل میں نمبر نو بھوپال کا آدھا بریگیڈ تھا۔ پہلا پڑاؤ عدن پر آیا جہاں چوبیس گھنٹے تک رکنا پڑا۔ وہاں ہندوستان کی دوسری بندرگاہوں سے فوجی جہاز آ کر جمع ہونا شروع ہوئے اور جب وہاں سے روانہ ہوئے تو وہ پینتالیس جہازوں کا ایک وسیع قافلہ تھے۔ بحیرہ قلزم میں داخل ہو کر تین جنگی حفاظتی جہاز ان کے ساتھ ہو لئے۔ نعیم اور اس کی کمپنی کے زیادہ تر جوانوں کو سمندری بیماری ہو گئی تھی اور وہ دن بھر لیموں کا عرق پیتے رہتے تھے۔

چند روز کے بعد سمندر پُرسکون ہو گیا اور کسان سپاہی اپنے پہلے سمندری سفر سے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگے۔ آسمان کے رنگ کے ساتھ پانی کا رنگ بدلتے دیکھ کر وہ بچوں کی طرح حیرت زدہ ہو جاتے۔ حد نظر تک پانی جہازوں کا وسیع و عریض قافلہ' ان کی سیٹیاں اور بھونپو' سمندر کا شور اور اچھلتی کودتی ہوئی رنگ برنگ مچھلیوں کا نظارہ سادہ لوح دیہاتیوں کے لئے جن میں سے کئی تو پہلی بار اپنے گاؤں سے باہر نکلے تھے' عجیب کشش رکھتا تھا۔

پورٹ سعید پر وہ جہاز چھوڑ کر گاڑی پر سوار ہوئے اور قاہرہ پہنچے۔ راستے کا علاقہ اور قاہرہ کے بازار اور گلیاں دلی اور [illegible] چند ایک یورپی لباس میں دکھائی دیئے۔ شہر سے باہر ہیلی پولس ریس کورس میں ان کا کیمپ لگا۔

کمپنی آدھے گھنٹے سے "فال ان" تھی۔ مصری آسمان پر سورج تیزی سے چمک رہا تھا اور زمین یوں خشک اور سخت تھی جیسے کبھی برسوں سے پانی کی شکل نہ دیکھی ہو۔ ریس کورس بہت بڑے دائرے کی شکل میں تھا جس کے تین چوتھائی رقبے پر کیمپ پھیلا ہوا تھا۔ جنوب میں بھورے رنگ کی خشک پتھریلی پہاڑیاں تھیں جن کے پتھر سورج کی مسلسل تپش اور تیزی سے سیاہی مائل ہو چکے تھے اور ان پر اسی رنگ کی پہاڑی بکریاں جانے کیا چرا کرتی تھیں۔ شمال اور مغرب میں قاہرہ پھیلا ہوا تھا جس کی چوڑی خوش نما سڑکوں پر دیہاتی عربی لباس پہنے بدو گدھا گاڑیوں اور اونٹ گاڑیوں پر سبزیاں اور دودھ بیچتے پھرتے تھے۔ مشرق میں ریگستان تھا اور جا بجا چمکتی ہوئی ریت کے ٹیلے تھے جن کے پیچھے سے ہر صبح گرم چمکتا ہوا سورج قاہرہ پر' اور ریس کورس کے کیمپ پر اور تھکے ہوئے' گرد میں اٹے ہوئے' اکتائے ہوئے فوجی چہروں پر طلوع ہوا کرتا۔

دور سے کیپٹن میکلین کے گھوڑے کو آتے دیکھ کر حوالدار' جو ایک طرف کھڑا جمعدار سے باتیں کر رہا تھا' وہیں سے چلایا "اٹینشن۔"

انہوں نے رائفلیں کندھوں پر رکھیں اور تن کر کھڑے ہو گئے۔ کیپٹن میکلین کا سیاہ خوبصورت گھوڑا ان گھوڑوں میں سے تھا جو مصر اور سوڈان سے حاصل کئے گئے تھے۔ اس نے کمپنی کے دو چکر لگائے۔ حوالدار نے

کھٹک کر دو' کاشن دیجیے۔

"بالکل ایسا میرا گھوڑا پچھلے سال پھول کر مر گیا۔" عبداللہ کے ساتھ کھڑے سپاہی نے اسے اطلاع دی۔

"چپ رہو۔"

"جوانو......" گھوڑے کو قابو میں کر کے کیپٹن بولا۔ "ہمیں چند حالات کی بنا پر کچھ دن اور یہاں رکنا پڑ گیا ہے۔ مگر امید ہے کہ جلد ہی ہم میدان جنگ میں پہنچیں گے۔" اس نے رک کر بائیں ہاتھ کا سفید سواری کا دستانہ اتارا۔ "اپنے آپ کو چست اور تازہ رکھو۔ حکومت تمہارے گھروں اور گھر والوں کی سلامتی کی ذمہ دار ہے اور وہ راضی خوشی ہیں۔"

گھوڑا پچھلے پاؤں پر دو بار ذرا ذرا اٹھا' پھر بے چین ہو گیا۔ سوار نے باگیں دانتوں میں پکڑ کر دستانہ پہننے کی کوشش کی مگر وہ نیچے گر پڑا۔ گھوڑا تیزی سے ناچنے لگا۔ ریت اڑ اڑ کر کیپٹن کے تر چہرے پر جمنے لگی۔

"حوالدار" وہ گرجا۔

حوالدار نے مستعدی سے دستانہ اٹھا کر پکڑا دیا۔

"کمپنی...... روٹ مارچ۔" کیپٹن کے کرخت 'کاشن' کے ساتھ اس کا ہنٹر گھوڑے کی پیٹھ پر پڑا۔ وہ گھوڑے کی تندرست' چمکدار پشت پر رانیں جما کر ذرا سا اٹھا اور اپنے پیچھے ریت کے چھوٹے چھوٹے بلوریں ذروں کا غبار چھوڑتا ہوا غائب ہو گیا۔

UrduPhoto.com

"یہ جانور میرے نیچے ہو تو ایک دن میں ٹھیک کر دوں۔" عبداللہ کے ساتھ والا سپاہی پھر بولا۔ عبداللہ نعیم سے کہہ رہا تھا:

"یہاں تو بھینچو علی پور سے بھی زیادہ گرمی ہوتی ہے۔"

روٹ مارچ کرتے ہوئے وہ ریس کورس سے باہر نکل آئے۔ دور پہاڑیوں کے دامن میں کسان ہل چلا رہے تھے۔ بیچ میں ریگستان پڑتا تھا اور ریت تپنی شروع ہو چکی تھی۔

حوالدار ہدایات دیتا ہوا انہیں پہاڑیوں کی طرف لے گیا۔ یہاں پانی کے آثار تھے اور کچھ سبزہ اگا ہوا تھا۔ ہل چلاتے ہوئے بدو کسانوں نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا اور کھجور کے درخت تلے رک کر پسینہ پونچھنے لگا۔ اس کا رنگ سیاہ اور گہرا لکیر دار چہرہ تھا اور اس کے آہنی ہل کو خچر کھینچ رہا تھا۔ کھجور کے نیچے سے ایک مشک نما چھاگل اٹھا کر اس نے پانی کا گھونٹ بھرا اور آنکھیں پھاڑ کر پاس سے گزرتے ہوئے فوجیوں کو دیکھنے لگا۔

"یہاں بارش ہوتی ہے؟" ایک سپاہی نے بھوری' خشک زمین کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

کسان چھاگل ہاتھ میں لٹکائے کھڑا رہا۔

"یا ان کا پیشاب کافی ہوتا ہے؟" سپاہی نے خچر کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے قہقہے سن کر بدو نے چھاگل درخت کے تنے کے ساتھ رکھی اور سادگی سے ہنسنے لگا۔ اس کے اگلے دانت غائب تھے۔

’’باتیں مت کرو۔‘‘ حوالدار کڑکا۔

’’سلور......‘‘ کسی نے زیرلب کہا۔

وہ پہاڑیوں کا لمبا چکر لگا کر دوپہر کے وقت خیموں کی طرف لوٹے۔ عبداللہ نے ٹوپی اتار کر چہرہ اور بازو پونچھے اور اسے زمین پر دے مارا۔

’’آج چار روز سے نہیں نہائے۔ دیکھو۔‘‘ وہ کپڑے جھاڑنے لگا۔

’’گرد مت اڑاؤ۔‘‘ نعیم نے تنگ آ کر کہا۔

میری ناک میں ریت بھر گئی ہے۔‘‘ ایک پنجابی سپاہی نے جس کے چہرے پر پسینے اور ریت کی لکیریں بنی تھیں‘ گالی دے کر کہا۔

’’افسروں کو روز پانی ملتا ہے۔‘‘

’’اور ہم جانور ہیں؟‘‘

’’تم جانوروں سے زیادہ بدبودار ہو۔‘‘ ایک پٹھان سپاہی خیمے کے باہر قمیض پھیلاتے ہوئے بولا۔ ’’کیا ہی اچھا ہو اگر تم بات نہ کرو۔‘‘

انہوں نے وردیاں اتار کر رسیوں پر پھیلائیں اور سگریٹ لگا کر لیٹ گئے۔

’’پر [illegible]‘‘

ایک صبح کو نعیم بریگیڈیئر میجر کے سامنے پیش ہوا۔ اس کا چھوٹا سا سبز رنگ کا خیمہ تھا جس میں اس کی اور اس کے حوالدار کلرک کی میز تھی۔

’’تم تعلیم یافتہ ہو؟‘‘ بریگیڈیئر میجر نے چشمہ اتارتے ہوئے پوچھا۔

’’میں نے سینئر کیمبرج کیا ہے۔‘‘

’’کہاں سے؟‘‘

’’کلکتہ سے۔‘‘

’’مشین گن کی ٹریننگ حاصل کی ہے؟‘‘

’’نہیں......‘‘

’’تمہیں ترقی دے کر لانس نائک کا عہدہ دیا جاتا ہے اور مشین گن ڈی ٹچمنٹ میں تبدیلی کی جاتی ہے۔‘‘

’’یس سر۔‘‘ وہ ذرا سا پنجوں پر اچھلا۔

’’کل تم سیکشن کمانڈر ایم۔ جی۔ ڈی ٹچمنٹ کو رپورٹ کرو گے۔ ڈس مس۔‘‘

قاہرہ سے گاڑی میں بیٹھ کر وہ اسکندریہ پہنچے۔ وہاں بھی روٹ مارچ کا سلسلہ جاری رہا۔ اسکندریہ سے پھر ایچ۔ ایم۔ ایس۔ ویموتھ میں سوار ہوئے اور بیس جہازوں کا قافلہ بحیرہ روم میں داخل ہوا۔ متلاطم سمندر کے باوجود بہت کم سپاہی بیمار پڑے۔ سمندری سفر میں نسبتاً بہتر خوراک اور نہانے کے لئے پانی عام ملتا تھا۔ نمبر 9 بھوپالی پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی جگہ ایک انگریز بٹالین ان کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ جب مارسلز کی بندرگاہ نظر آئی تو انگریز فوجی جہاز کے عرشے پر چڑھ کر ناچنے لگے اور بینڈ نے 'مارسلیز' بجانا شروع کر دیا۔

موسم چمکدار اور خوش گوار تھا۔ بہت سے بھونپوؤں اور سیٹیوں کے بعد جہاز نے لنگر پھینکا۔ سازندوں نے دھن تیز کر دی اور انگریز سپاہی 'مارسلز' گاتے ہوئے بندرگاہ پر اترنے لگے۔ سفید براق وردیوں میں فرانسیسی ملاح تمباکو پیتے ہوئے ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔ فرانسیسی عورتیں شوخ رنگ سکرٹ اور چھوٹے چھوٹے سفید ہیٹ پہنے کھڑی تھیں۔ انہوں نے گالوں پر چوم چوم کر فوجیوں کا خیر مقدم کیا۔ پھر ہندوستانی فوج کے افسر اترے۔ کیپٹن سکلین، کیپٹن اشر، لیفٹیننٹ براؤننگ۔ سب کے چہرے مسرت کی شدت سے سرخ ہو رہے تھے اور وہ چلا چلا کر پوچھ رہے تھے:

"ہمیں دیر تو نہیں ہو گئی۔ کیا ہم دیر میں پہنچے؟"

فرانسیسی ملاح مسرور آوازوں میں چلا چلا کر جواب دیتے اور عورتیں سر پیچھے پھینک کر خوشی سے تالیاں بجاتیں۔ فرانس [illegible] سنہری بالوں پر پڑ رہی تھی اور ان کے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں اور نیلی دلکش آنکھوں سے صحت اور زندگی مترشح تھی۔ ان کے بے خوف قدم اور مستعد فوجی جسم دیکھنے والوں کو مرعوب کرتے تھے۔ ان کے دماغ فوجی نغموں اور اپنے گھر والوں کی یاد سے پُر تھے۔ وہ ذہین، صحت مند اور بے فکرے انسان تھے۔ ایسے نوجوان جن کا بہت سے محبت کرنے والے دل انتظار کرتے ہیں اور جن کے گھروں کے دروازے ان کے لئے تمام عمر کھلے رہتے ہیں۔ جن کی تصویریں آتش دانوں پر سدا مسکراتی ہیں اور جن کی دی ہوئی انگوٹھیاں لڑکیوں کی انگلیوں پر ہمیشہ جگمگاتی ہیں۔ سورج نے اپنی خوب صورت ترین شعاعیں ان پر پھینکیں اور مسکرایا۔ "تمہاری یادیں سدا جوان رہیں گی۔"

چھ ماہ کے اندر اندر یہ سب میدان جنگ میں کام آ چکے تھے۔

ہندوستانی فوجیوں کو گزرتا دیکھ کر فرانسیسیوں نے ہیٹ اتارے اور زور زور سے انہیں ہلانے لگے۔

"لا انڈینز (Les Indians)" انہوں نے ایک دوسرے کو بتایا۔

بورلے ریس کورس میں کیمپ لگا۔ تیسرے مشین گن سیکشن میں دو مشینیں گنیں، بارہ خچر، سولہ سپاہی، لانس نائک نعیم، حوالدار رضا کر داس اور سیکشن کمانڈر میک گریگر تھا۔ مارسلز کا ریس کورس وسیع اور خوبصورت تھا۔ اس جگہ کی مٹی سیاہ اور زرخیز تھی اور یہاں پانی کی فراوانی تھی۔

UrduPhoto.com

"یہاں کا پانی میٹھا ہے۔" حوالدار ٹھاکر داس نے سر پیچھے جھٹک کر چھاگل سے پانی پیا۔ "اور کھانا طاقت ور ہے۔"

"لوگوں کا لباس بھی خوش نما ہے۔" نعیم نے چھاگل اس سے پکڑ کر منہ سے لگائی۔

"خاص طور پر عورتوں کا۔" ٹھاکر داس بوٹ پٹیوں سمیت لمبا لیٹ گیا۔ وہ دس میل کے روٹ مارچ سے تھک کر لوٹے تھے۔ فرانسیسی طرز تعمیر' باغات کی فراوانی اور غیر ملکی پھول اور پودوں کو دیکھ کر وہ بچوں کی طرح مسرور تھے۔ اتنے دنوں تک اکتا دینے والے' یک رنگ ریگستان اور پتھریلی پہاڑیوں کے نظارے کے بعد فرانس کی کھلی سڑکوں پر خوب صورت خوش رنگ عورتیں اور بڑے بڑے ہیٹ پہنے خچر سوار مرد' جو ان کو گزرتا دیکھ کر ہیٹ اٹھا کر سلام کرتے تھے' انہیں بہت بھلے معلوم ہوئے۔

"کل ہمیں نیا بارود ملے گا۔" ٹھاکر داس نے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا۔

"کتنا؟"

"کتنا وتنا نہیں۔ نیا فرانسیسی طرز کا۔ مارک نمبر 7 ہو گی۔"

"اور مارک نمبر 6......"

"وہ اب کنڈم۔ مارک نمبر 7 سیدھی جاتی ہے۔"

"کیسی ہوتی ہے......"

ٹھاکر [illegible] نمبر 6 [illegible] ہے۔ وہ آگے سے چپٹی ہوتی اور یہ تو یوں جاتی۔" اس نے انگلی سے ہوا میں کمان بنائی۔ "اور وہ یوں تیر کی طرح سیدھی جائے گی۔ شوپ......"

"کیا فرق پڑے گا؟"

"فرق...... ہا ہا۔ تمہی ہو کہ کلکتے میں پڑھتے رہے۔ ارے میاں ٹیڑھی جائے گی تو مار نزدیک کرے گی۔ سیدھی جائے گی تو مار دور کرے گی۔ سارا حساب کا سوال ہے۔ سمجھے؟...... اور بینٹ بھی ولایتی طرز کی ملے گی۔ لمبی والی...... اب پوچھو کیا فائدہ؟"

"چھوٹی ہو گی تو مار نزدیک کرے گی۔ لمبی ہو گی تو مار دور......"

اس کی آواز ٹھاکر داس کے مہیب قہقہے میں گم ہو گئی۔ اس نے ایک زور کے دھپ سے نعیم کا سارا بدن ہلا دیا۔

"شاباش بچے۔ شاباش......"

"تمہیں یہ کس نے بتایا......" نعیم نے پوچھا۔

"سیکشن کمانڈر کے پاس میں نے دیکھیں۔" وہ دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹ گیا۔

سرزمین فرانس پر وہ دن بڑا خوبصورت طلوع ہوا تھا۔ صبح صبح بارش ہوئی تھی جب وہ روٹ مارچ کرتے ہوئے بھیگے تھے۔ اس کے بعد سورج نکل آیا تھا۔ اب بھاری نمدار ہوا کی مخملیں لہریں خوش رنگ پھولوں پر سے گزرتی' بڑی جان دار حدت لئے ہوئے یکے بعد دیگرے آ کر تھکے ماندے فوجی چہروں کو تھپکیاں دے رہی

تھیں۔ آسمان گہرے نیلے رنگ کا تھا۔ دور سڑکوں پر عورتیں اور بچے شوخ رنگ کپڑے پہنے' پھولدار چھاتے اور
ے نکل آئے تھے۔ ان کی چال بڑی مسرور اور جوان تھی اور وہ تازہ دم رسالے کی طرح مختلف راستوں پر
رہے تھے۔

"جنگ کہاں پر ہو رہی ہے؟" نعیم نے پوچھا۔ وہ دیر سے ایک گیلی ماچس کو جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہم عنقریب جا رہے ہیں۔"

"کہاں؟"

"محاذ پر۔"

"کہاں؟ کس جگہ؟"

"تم کیوں اس کے پیچھے پڑے ہو؟" ٹھاکر داس نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر یکلخت وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"لانس نائیک نعیم احمد۔ اٹنشن۔"

نعیم تیزی سے اٹھا اور فوجی انداز میں تن گیا۔

"میکسم گن کی پٹی میں کتنے راؤنڈ آتے ہیں؟"

"دو سو پچاس۔"

"وزن؟"

"تقریباً...... چھ پا......"

"میکسم گن کا وزن؟" ٹھاکر داس نے کڑک کر پوچھا۔

"ساٹھ پاؤنڈ۔"

"سٹینڈ ایٹ ایز......"

UrduPhoto.com

وہ لمبے لمبے قدم رکھتا خیمے کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ اس کی چوڑی پشت سارے دروازے پر پھیلی ہوئی تھی۔ باہر دھوپ ماند پڑنے لگی تھی۔ "شاید بادل پھر آ گئے۔" نعیم نے کھڑے کھڑے بے دھیانی سے سوچا۔

کچھ دیر کے بعد وہ نعیم کے پاس آ کھڑا ہوا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

نعیم کھڑا رہا۔

"لڑائی کے میدان میں عورتوں کی طرح سوال مت کرو۔ جنگ کرنے نکلے ہو تو مرنے کا انتظار کرو' جینے کا انتظار مت کرو۔ کیوں' کہاں' کب' کیسے؟ سوالات بزدل بنا دیتے ہیں۔"

"غلط ہے۔ میں بزدل نہیں ہوں۔" ایک نامعلوم سا غصہ اس کے دماغ میں ابال کھانے لگا۔

"بیٹھ جاؤ۔" ٹھاکر داس نے اس کا کندھا دبایا اور جیب سے ماچس نکال کر دی۔

دونوں سگریٹ جلا لئے۔ بادل پھر آسمان پر اکٹھے ہو رہے تھے اور پیلی سی مریل دھوپ خیمے کے

دروازے میں سے اندر آ رہی تھی۔

”تم سوال نہیں پوچھتے؟“ نعیم نے آنکھوں کے کونوں میں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر داس نے دھواں اس کے منہ پر چھوڑا ”نہیں۔“

”تم مرنے سے نہیں ڈرتے؟“

”نہیں۔“

”اگر میں تمہیں ابھی قتل کر دوں؟“

ٹھاکر داس کے ہونٹ کپکپائے اور وہ زرد پڑ گیا۔ ”تمہارے دل میں کیا ہے سنور۔ تم اتنی ہمت کرو گے؟“ اس نے تیزی سے کہا۔

نعیم اپنے بستر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا‘ وہیں پر کھسک کر لیٹ گیا اور چھت کو گھورنے لگا۔ ٹھاکر داس ابھی تک اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ وہ تیز تیز کش لگا رہا تھا اور اعصابی انگلیوں سے گھٹنا کھجا رہا تھا۔ کچھ دیر تک خیمے میں خاموشی رہی۔ ٹھاکر داس نے دوسرا سگریٹ سلگایا اور تیزی سے ختم کر دیا۔ پھر اسے باہر اچھالتے ہوئے وہ بھاری آواز سے بولا:

”لیکن یہ دوسری چیز ہے۔“

”[illegible]“ نعیم نے [illegible] کہا۔

”ہاں۔ تم نے جنگ نہیں دیکھی‘ اس لئے کہتے ہو۔ وہاں ہر طرف موت ہوتی ہے۔ آدمی چوہوں کی طرح مرتے ہیں۔ وہاں مرنا اور مارنا بڑا آسان کام ہے۔ یوں۔ سڑک پر جاتے ہوئے ہم چیونٹیوں کے ایک قافلے پر پاؤں رکھ کر گزر جاتے ہیں اور سینکڑوں چیونٹیاں ہمارے جانے بغیر مر جاتی ہیں۔ لیکن اکلوتی چیونٹی اگر ہمارے بازو پر چل رہی ہو تو اسے مارتے ہوئے ہم ہچکچاتے ہیں‘ گھبراتے ہیں اور اسے اٹھا کر ہم نیچے رکھ دیتے ہیں۔ یا پھونک مار کر اڑا دیتے ہیں۔“

دھوپ اب آدھے فرش تک آ گئی تھی اور اس کی روشنی میں ٹھاکر داس غیر معمولی طور پر زرد اور بے تاب دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے تیسرا سگریٹ جلایا۔

”وہاں تم بے ضمیر ہو کر مار دیتے ہو۔ بالکل صاف‘ بے داغ‘ ضمیر کے ساتھ اور مر بھی جاتے ہو۔“

”میدانِ جنگ میں موت کی تکلیف نہیں ہوتی؟“ نعیم نے تمسخر کے ساتھ پوچھا۔

”نہیں۔ شاید۔۔۔ پتہ نہیں۔ پر میں نے لوگوں کو چوہوں کی طرح مرتے ہوئے دیکھا ہے۔“

اس نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے سگریٹ ختم کیا اور دروازے سے باہر اچھال دیا۔ اس کا ایک گھٹنا تیزی سے ہل رہا تھا۔ ”میں اپنی موت سے نہیں ڈرتا۔ لیکن میرے دو بچے ہیں۔“

لنگر پر کھانے کا پہلا بھونپو ہوا۔

''عورت کو دوسرا خاوند مل جائے گا' پر بچے۔ میری بیوی کا پہلے خاوند سے بچہ ہے' مجھے پتہ ہے میں کبھی اسے اپنے بچے کی طرح نہیں دیکھ سکتا۔''

''اچھا؟'' نعیم نے لیٹے لیٹے تمسخر سے کہا۔

لٹی کر داس نے دل میں گالی دی اور دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹ گیا۔ ''یا میں اپنی موت سے خوف زدہ ہوں؟'' اس نے سوچا۔ ''بدبخت اس کے دل میں کیا ہے۔''

دوسرے خیموں میں کھانے کے برتن کھنک رہے تھے اور سپاہیوں کی تیز' کرخت آوازیں آ رہی تھیں۔

تین دن تک رجمنٹ سفر میں رہی۔ گاڑی بالکل ویسی تھی جیسی فیروز پور سے ملی تھی: مال گاڑی جس میں گھاس بچھایا گیا تھا۔ رجمنٹ میں نو انگریز افسر' انیس ہندوستانی افسر اور سات سو نوے سپاہی تھے۔ دلفریب پہاڑی علاقے میں سے وہ تین دن اور تین راتیں گزرتے رہے۔ راستے میں وہ جنرل سیور یرز کی فوج کے قریب سے گزرے جو چودھویں رجمنٹ کی کمان کر رہا تھا۔ سفر کے اختتام پر وہ سرکاٹ کیمپ آ کر پہنچے۔

سرکاٹ کیمپ بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ تین اطراف سرسبز' کہنہ سال پائن کے درختوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑ تھے' نیلے برفانی چشمے جن کے بیچوں بیچ بہتے تھے۔ روٹ مارچ کرتے ہوئے جہاں چشموں پر رکتے' پیاس بجھاتے' تہہ میں [illegible] پہاڑوں میں دم لیتے' پھر بڑی بڑی چٹانوں پر سے گھوم کر پیڑوں سے کنکر اڑاتے ڈھلانوں پر اتر جاتے۔ پہاڑیوں پر اکا دکا مکان ملتے جو عموماً انگور کی بیلوں میں چھپے ہوتے اور آس پاس سفید' ریشمیں بھیڑوں کے ریوڑ چرا کرتے۔ کہیں کہیں کوئی مختصر سا گاؤں آ جاتا۔ رجمنٹ وہاں سولہ دن تک ہیڈ کوارٹرز کے احکام کے انتظام میں رکی رہی۔

ان کے قیام کے پانچویں روز ڈیوک آف کناٹ کے لڑکے ہز رائل ہائی نس پرنس آرتھر آف کناٹ نے رجمنٹ کا معائنہ کیا۔ سفید گھوڑے پر سوار' سفید اور سرخ شاہی وردی میں ملبوس وجیہہ شہزادے نے صبح کی ہلکی سرد دھوپ میں انہیں مخاطب کیا۔

''مجھے وہ راحت ابھی تک یاد ہے جو چند برس پیشتر رجمنٹ کو ہانگ کانگ میں دیکھ کر مجھ کو ہوئی تھی۔ اور آج آپ کو یورپ میں برٹش فوج کے پہلو بہ پہلو لڑنے کے لیے تیار دیکھ کر مجھے دگنی خوشی ہوئی ہے۔ میں آپ کی خوش قسمتی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ چند روز تک محاذ پر ہماری ملاقات ہوگی۔ میں اپنے والد' رجمنٹ کے کرنل ان چیف کو لکھوں گا کہ آپ بہترین حالت میں ہیں۔'' سپاہی دور تک' آنکھوں کے کونوں سے' شاندار سوار کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

سترہویں دن وہ آرلینز سے اسی گاڑی میں سوار ہوئے اور اگلے روز ایک نامعلوم مقام پر جا کر اترے جہاں پر چاروں طرف کاغذ سازی کے کارخانے تھے۔ روٹ مارچ کرتے ہوئے نمبر 57 فرنٹیئر فورس کے پاس سے

گزرے۔ لمبی لمبی مونچھوں اور چھوٹی چھوٹی تیز آنکھوں والے پٹھان سپاہی' جو خاردار تار کے اندر برتن دھو رہے تھے اپنے دیس کے جوانوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلانے اور تیز' باریک آواز میں "ہواو...... ہواو" کرنے لگے۔ اگلے دن شام کے اندھیرے میں دور سے چیونٹیوں کی طرح رینگتی ہوئی فوجی بسوں کی قطار نظر آئی۔ نمبر 129 ڈیوک آف کناٹس اون بلوچ رجمنٹ والوں کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور وہ تاروں پر ہاتھ رکھ کر دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔

"ہمارا لاریوں کا حصہ آ گیا۔"

"کل ہم محاذ پر ہوں گے۔"

"میں توپ کی آواز یہاں سے سن سکتا ہوں۔"

دوسرا سپاہی ہنسا۔ "پھر تم رستے میں ہی مر جاؤ گے۔ کبھی گولہ نہ دیکھ پاؤ گے۔ ہاہا......"

"دانت مت نکالو۔"

"محاذ یہاں سے دو سو میل پر ہے۔ سٹاف کیپٹن کہہ رہا تھا۔ بلجیم میں۔"

"فرانس میں لڑائی نہیں ہو رہی کیا؟"

"اس طرف نہیں۔"

بعض [illegible] اور رجمنٹ [illegible] ہوئی [illegible] سپاہیوں کے ہاتھ نیچے آ پڑے اور آنکھیں ماند پڑ گئیں۔ اس رات چند یونٹوں کو کاغذ کے کارخانوں کے اردگرد ان مکانوں میں پوسٹ کیا گیا جو نمبر 57 ایف ایف۔ کے جانے سے خالی ہو گئے تھے۔

(۹)

اگلے روز رجمنٹ کو اپنا گاڑیوں کا حصہ مل گیا اور وہ اکتالیس گھنٹے کے سفر کے بعد بلجیم کی سرحد پار کر کے میدان جنگ میں داخل ہوئے۔ گاڑیاں انہوں نے آرکس کے مقام پر چھوڑیں اور ہولی بیک میں قیام کیا۔

اصل محاذ ہولی بیک سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ سارے مکان اور دکانیں شہری آبادی سے خالی ہو چکے تھے۔ مکانوں پر گورے رسالوں' رجمنٹوں اور توپ خانے کا قبضہ تھا۔ جن میں تین یورپی اقوام کے لوگ بلجیئن' فرانسیسی اور انگریز شامل تھے۔ دو منزلہ مکانوں کے تمام کمرے گورے سپاہیوں' اسلحہ بارود' باورچیوں اور راشن کے ڈبوں سے بھرے پڑے تھے۔ ہیڈ کوارٹر سٹاف الگ الگ مکانوں میں تھا۔ مکانوں سے ذرا فاصلے پر دکانیں تھیں جنہیں خالی کر کے فرش پر مکئی کے ناڑ بچھائے گئے تھے۔ ان میں رسالوں کے گھوڑے اور خچر بند تھے۔ جو دکانیں بچ رہی تھیں وہ ہندوستانی فوجیوں کے لئے مخصوص کی گئیں۔

اکتوبر کے آخری دن تھے۔ باہر تیز سرد ہوا چل رہی تھی اور رات ہولی بیک پر بہت نیچے جھک آئی تھی۔ سپاہی خشک گوشت کے ٹکڑے اور پنیر کھانے کے بعد سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ چند ایک سو بھی چکے تھے۔ پائن کے درختوں کی چوٹیاں دور اوپر اندھیرے میں آہستہ آہستہ ہل رہی تھیں اور ان کی بوڑھی انگلیوں کی طرح جھکی ہوئی بھری دار شاخیں اور تیز نوکیلے سبز پتے رات کے مخصوص اسرار میں سائیں سائیں کر رہے تھے۔ دکان میں تمباکو، پنیر اور مکئی کے تازوں کی ملی جلی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک خالی الماری میں مدھم سی لالٹین جل رہی تھی۔ دیوار کے ساتھ دو مشین گنیں جن کی نالیوں پر خول چڑھے تھے، کھڑی تھیں۔ بارود سیکشن کمانڈر کے پاس تھا۔

''تھیلے محفوظ ہیں؟'' حوالدار ٹھاکر داس نے کمبل تانتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں......'' نعیم بستر لگا رہا تھا۔ اس نے چند تازے اکٹھے کر کے ان کا سرہانہ بنایا اور ہاتھ سے دبا کر دیکھا۔

''پہرے پر کون ہے؟''

''احمد۔''

''اس کے بعد؟''

''دو بجے ریاض بدلی کرے گا۔''

''سونے سے پہلے چیک کر لینا۔'' ٹھاکر داس نے گھٹنے اٹھا کر بستر کا خیمہ بناتے ہوئے کہا۔

ایک [illegible] بہت [illegible] خواب آلود [illegible] ''یہاں [illegible] سردی ہے۔''

لیٹتے ہی نعیم کے نتھنوں میں خشک مکئی کی مانوس بو داخل ہوئی۔ خواب آلود سانسوں کی حرارت اور انسانی بو آہستہ آہستہ کمرے میں پھیل رہی تھی۔ جب بستر گرم ہو گیا تو اس نے اندر ہی اندر ہاتھ بڑھا کر بوٹ اتارے اور باہر دھکیل دیے۔ دور کسی مکان میں سے ایک اونچا، کرخت قہقہہ بلند ہوا اور گہری رات میں گم ہو گیا۔

''تمہارے پاس سگریٹ ہے؟'' ٹھاکر داس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں......''

''ایک دو۔''

نعیم نے سگریٹ اسے پکڑا دیے۔ ''دروازے کے پاس چلے جاؤ۔ یہاں مت پینا۔''

''تمہیں نیند آ رہی ہے؟''

''نہیں۔ مگر میں خوب گرم ہو گیا ہوں۔''

''آؤ وہاں بیٹھیں۔''

دونوں کمبل اوڑھ کر دروازے کے پاس ننگے فرش پر جا بیٹھے اور خاموشی سے سگریٹ سلگا کر پینے لگے۔

''فرش بڑا ٹھنڈا ہے۔'' نعیم نے کہا۔

''تھوڑے سے تازے کھینچ لو۔ کتنے دو آگ (گالی) جب حملہ شروع ہو گا تو کس کو پتہ ہے اس جگہ کا کیا

حشر ہوگا۔''

نعیم نے تاش سمیٹ کر فرش پر رکھے اور ان پر اکڑوں بیٹھ کر کمبل کی آڑ میں وہ حرارت محسوس کرنے لگا۔

''محاذ تین میل پر ہے۔'' ٹھاکر داس نے بڑا سا ہاتھ بڑھی ہوئی داڑھی پر پھیرا۔

''خاموش کیوں ہے؟ صرف گیدڑ بول رہے ہیں۔''

''جرمنوں نے ابھی حملہ شروع نہیں کیا۔''

''ہماری لائنوں میں اس وقت کون ہے؟''

''دھو کورا رسالہ۔''

''کیا ضروری ہے کہ جرمن حملہ کریں۔'' تھوڑی دیر کے بعد نعیم نے پوچھا۔

''پتہ نہیں......'' ٹھاکر داس نے تاش چباتے ہوئے کہا۔ ''مگر ان کی فوج زیادہ ہے۔ ایک ڈویژن یا اس سے بھی زیادہ۔''

اس نے سگریٹ پھینکنے کے لئے لوہے کا کواڑ کھولا۔ بھیگی ہوئی سرد ہوا نعیم کے چہرے سے ٹکرائی۔ ایک گیدڑ نے بالکل سامنے آ کر آواز نکالی۔ اگلی دکانوں میں سے خچروں میں بھگدڑ مچنے اور ایک خچر کے گیلی گھاس پر پیشاب کرنے کی آواز آنے لگی۔ نعیم نے سر باہر نکالا۔

''سپاہی احمد خان۔''

اندھیرے میں سے احمد خان کے رائفل کے دستے پر ہاتھ مارنے اور جواب دینے کی آواز آئی۔

''شاباش۔''

باہر ہلکی ہلکی خاموش بارش ہو رہی تھی اور پہاڑ کی چوٹیوں میں بادل گرج رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے پر بجلی چمکتی۔

UrduPhoto.com

''یہ موسم جنگ کے لئے خطرناک ہوتا ہے۔'' ٹھاکر داس نے تشویش سے کہا۔

نعیم نے خاموشی سے دروازہ بند کر دیا۔

''جب خاموش بارش ہو رہی ہو تو آواز دور تک جاتی ہے اور بجلی۔''

''اچھا ہے کہ آج حملہ نہیں ہوا۔''

''ہاں۔ سب سے زیادہ خطرناک تو برف باری ہوتی ہے۔''

دور مشرقی آسمان پر سے گڑ گڑ کی آواز آنی شروع ہوئی۔

''وہ...... آ رہا ہے۔'' ٹھاکر داس نے چونک کر کہا۔ وہ کان لگائے سنتے رہے۔ ہلکی گرج دار آواز قریب آ رہی تھی۔ نعیم نے جلدی سے اٹھ کر لالٹین پر بہت سے تاش پھینکے۔ واپس آتے ہوئے وہ اندھیرے میں ایک سوئے ہوئے سپاہی سے ٹکرا کر گر پڑا۔ سپاہی نے نیند میں گالی دی اور کروٹ بدل کر سو گیا۔

باہر نکل کر انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ مہین پھوار سے لکڑی کا پائیدان گیلا اور پھسلواں ہو رہا تھا۔ سامنے اندھیرے میں پائن کے درخت بھاری' سیاہ بھوتوں کی طرح کھڑے تھے۔ خوف ناک آواز دفعتاً بالکل قریب آ گئی۔ ٹھاکر داس اور نعیم بے جان لکڑی کے تختوں کی طرح زمین پر گرے اور بے سدھ لیٹے رہے۔ درختوں کے اوپر ایک دھندلی سبز بتی نمودار ہوئی اور تیزی سے مغرب کی سمت گزر گئی۔

’’بدبخت ہزاروں توپوں کی آواز ہے۔‘‘ ٹھاکر داس نے سرگوشی سے کہا۔

نیم روشن' سفیدی مائل بادل دکانوں کی چھتوں پر آ گئے تھے اور تاریک پھوار خاموشی سے ان کے چہروں کو بھگو رہی تھی۔ وہ اٹھے اور واپس دکان میں داخل ہوئے۔

’’یہ ہوائی جہاز تھا۔‘‘ ٹھاکر داس نے اپنے آپ سے بات کی۔

’’جرمنوں کا تھا؟‘‘

’’پتہ نہیں۔‘‘

’’ہری بتی تھی۔‘‘

’’سب کی ہری ہوتی ہے۔‘‘

کپکپاتی ہوئی انگلیوں سے انہوں نے دوبارہ سگریٹ سلگائے۔ ہوائی جہاز کے ساتھ ان کا یہ پہلا تجربہ تھا۔

’’سگریٹ [illegible]۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

’’سگریٹ پھوٹی پڑے گی اور جبڑے صاف کر جائے گی۔ ہر بات پر کیوں۔ کیوں۔‘‘

وہ خاموشی سے دھواں اڑاتے رہے۔ کمرے میں سونے والوں کے خراٹوں کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

’’شاید کل ہم چلے جائیں۔‘‘

’’کہاں؟‘‘

’’فائرنگ لائن پر......ایں؟‘‘

نعیم نے ایک لمحے کو اسے غور سے دیکھا۔ ’’اب تم کیوں پوچھتے ہو؟‘‘

ٹھاکر داس نے ابرو اٹھا کر کڑی' تمسخرانہ نظر اس پر ڈالی پھر سگریٹ پر ایک لمبا کش لینے کے بعد نیم خفگی' نیم طنز سے ہنسا۔

’’میں اس قدر اکتا گیا ہوں...... یہاں سے۔‘‘

نعیم خاموشی سے اندھیرے میں دیکھتا رہا۔

’’مجھے اس وقت محاذ پر ہونا چاہیے یا گھر۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

''میں گھر جانا چاہتا ہوں۔ اتنے مہینے ہوگئے۔ یہاں میری مچھروں سے بھی بری حالت ہوگئی ہے۔''

''تمہیں اپنی بیوی سے محبت ہے؟''

''ہاں۔ شاید اسے مجھ سے بڑی محبت ہے۔''

''اچھا۔''

''ہم نے شادی عجیب طریقے سے کی تھی۔ میں عورتوں کا کاروبار کیا کرتا تھا۔''

''کاروبار۔ ایں؟''

''میں اور رام سنگھ۔ ہم لدھیانے' انبالے اور رہتک سے عورتیں اٹھایا کرتے اور پنجاب میں لاکر بیچا کرتے تھے۔ خاص طور پر لائل پور اور سرگودھا میں وہ اچھے دام دے جاتی تھیں۔ یوں ہمیں خود عورتوں کا کوئی چاؤ نہ تھا۔ ہم کبڈی کے مانے ہوئے کھلاڑی تھے اور سب سے اول جسم اور جان کی رکھوالی کرتے تھے۔ جوانی کا زمانہ تھا۔ بیسیوں عورتیں آئیں اور بیسیوں گئیں۔ کبھی کبھار کوئی پسند آئی تو دو چار روز کے لئے رکھ لیا ورنہ ادھر سے لادا اُدھر بیچا...... لو پیو...''

''میں نہیں پیتا۔'' نعیم نے اس کا سگریٹ والا ہاتھ پیچھے دھکیل دیا۔

''ایک دن میں نے سنا کہ چک نمبر 30 کی ایک کمہاری نے آواز دی ہے چاروں طرف کے گاؤں میں کہ ہے کوئی ایسا جو [illegible] کیا۔ میں نے کہا چل رام سنگھ' مگر رام سنگھ دن دن کو جانے سے گھبرائے۔ میں نے ایک عورت بھیج کر پتہ کروایا تو معلوم ہوا کہ اس کا خاوند کمہار اپنے گاؤں کا منہ زور جوان ہے اور رات کے وقت اس کی ماں بیٹے اور بہو کو اندر بند کر کے تالا لگا دیتی ہے چنانچہ رات کو نکلنا دشوار ہے۔'' اس نے گلا صاف کر کے زور سے فرش پر تھوکا اور بات جاری رکھی۔

''چنانچہ رات کو نکلنا دشوار ہے۔ خیر بہت سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ عورت کی پکار ضائع نہیں جانی چاہیے۔ میں نے پیغام بھیجا کہ فلاں دن تمہارے گاؤں سے تین مربعے باہر بڑے پیپل کے نیچے دوپہر کو آؤں گا۔ ہمت ہو تو آ جاؤ۔ سخت گرمیوں کے دن تھے۔ دس کوس چل کر میں پیپل کے نیچے بیٹھا۔ بیٹھے بیٹھے دوپہر ڈھل گئی عورت کا نام و نشان نہیں ملا۔ میں وہیں پر سو گیا۔ پتہ نہیں کتنی دیر سویا تھا کہ چھری کی نوک سے کسی نے مجھے جگایا۔ آنکھ کھولی تو ایک بڑا جوان نظر پڑا۔ سر پر منڈاسہ' کمر میں پھولدار لاچا' ہاتھ میں چھری۔ میں نے پوچھا ''کیا بات ہے جوان؟'' کہنے لگا۔ ''اب اٹھ اگر چلنا ہے تو۔ مجھے سندیسہ بھیج کر اب سوتا ہے۔'' میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ غور سے دیکھا تو عورت تھی۔ پر نعیم' کیا عورت تھی کمبخت۔ یہاں سارے ولایت میں میں نے ایسی جوان اور جلال والی عورت نہیں دیکھی۔'' وہ پُرسرور تبسم کے ساتھ چند لمحے تک فضا میں دیکھتا رہا۔ ''ہم ساری رات اور سارا دن چلتے رہے اور تیس کوس پر جا کر پہلی رات گزاری۔ وہ میرے دوست کا گاؤں تھا۔ سویرے اٹھ کر عورت بولی۔ ''میں تجھ سے بیاہ کروں گی۔'' میں نے کہ ''بیاہ ویاہ کی بات چھوڑ میں بیاہ کا قائل نہیں ہوں۔'' یہ سن کر وہ رونے لگی

اور رو رو کر برا حال کر لیا۔ خیر وہاں سے ہم گھوڑی لے کر دس دن میں امرتسر پہنچے۔ راتوں رات میں نے اس کے ساتھ سو روپے وصول کئے اور اسے سوتا چھوڑ کر چلا آیا۔

''کوئی دس دن نہیں گزرے ہوں گے اس بات کو ایک دن میں کھیت میں سویا پڑا تھا کہ وہ میری چھاتی پر آن چڑھی۔ میں نے چلانا چاہا لیکن اس نے ایک ہاتھ سے میرا منہ بند کیا اور دوسرے سے چھری کی نوک میری گردن پر رکھ دی اور بولی: ''میں سریندری ہوں۔ بول میرے ساتھ شادی کرے گا یا نہیں۔ میں تجھے قتل کر دوں گی۔'' جان کے خوف سے میں نے وعدہ کر لیا۔ راتوں رات اسی کی گھوڑی پر سوار ہو کر ہم گاؤں سے نکل آئے۔ اس نے مجھے اپنے آگے بٹھا کر باہوں میں کس رکھا تھا۔ صبح ایک گاؤں کے مندر میں جا کر ہم نے شادی کر لی۔ پتہ ہے کیسے؟ گھوڑی کی پشت پر اور کسی چوتھے آدمی کے بغیر۔ پنڈت کے سر پر سریندری کی چھری تھی اور وہ گھوڑی کی باگ پکڑے پھیرے دے رہا تھا اور اشلوک پڑھتا جا رہا تھا۔'' وہ اندھیرے میں آہستہ سے ہنسا۔ ''سریندری نے چند روپے کھول کر اس کی طرف پھینکے اور ہم لوٹ آئے۔ اس رات کو وہ مجھ سے لپٹ کر روتی رہی۔ میں نے کہا: ''روتی کیوں ہے۔ اگر میں شادی نہ کرتا تو تو مجھے قتل کر دیتی۔'' کہنے لگی۔ ''وہ تو صرف دھونس تھی۔ اگر تم شادی نہ کرتے تو میں اپنے آپ کا خون کر لیتی۔ تم مرد ہو۔ تم کیا جانو عورت کے دل میں کیا ہے۔'' رات بھر وہ میرے ساتھ لپٹی چھوٹی سی کمزور چڑیا کی طرح روتی رہی۔ آج دس برس ہو گئے اس بات کو وہ اس نے آج تک میرے سامنے آ[illegible] اب وہ میری بیوی ہے۔''

وہ ایک لمبی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ لالٹین کی بتی جھلملا رہی تھی۔ اور فرش پر سوئے ہوئے سپاہیوں کی ٹانگیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ ساتھ والی دکان میں کوئی گا رہا تھا۔

''اب وہ کسی اور کے ساتھ بھاگ جائے تو.......؟'' نعیم نے کہا۔

''نہیں۔ وہ نہیں جائے گی۔ جس مرد کے ساتھ اس کا دل نہیں تھا اسے اس نے بول کر کہہ دیا تھا کہ تو مجھے لاکھ تالے میں رکھ' ایک نہ ایک دن میں چلی جاؤں گی۔ میرے گھر میں اس نے دو بچے دیئے ہیں اور اونچی آواز سے بات نہیں کی ہے۔ اب وہ کہیں نہ جائے گی۔ تم نہیں جانتے نعیم' عورت جب محبت کرنے پر آتی ہے تو ختم ہو جاتی ہے۔ محبت کرنے کے لئے اتنا بڑا دل چاہیے۔ وہ دلیر عورت ہے۔ میں جانتا ہوں۔ ورنہ میں نے ایسی بھی عورتیں دیکھی ہیں جو ایک گھر میں پانچ پانچ بچے جننے کے بعد دوسرے مرد کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں۔'' وہ رکا۔ ''عورتیں بُری نہیں ہوتیں۔ یہ میرا یقین ہے' پر اپنے اپنے حوصلے کی بات ہے۔ جس کا حوصلہ نہیں ہوتا وہ کبھی محبت نہیں کر سکتی۔ اسے ساری عمر دھوکہ دہی سے کام لینا پڑتا ہے۔''

ٹھاکر داس نے اپنے نیچے سے ہاڑ نکال کر سوئے ہوئے سپاہیوں پر پھینکے اور کمبل جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم پہلے شخص ہو جس کو میں نے یہ قصہ بتایا ہے۔''

نعیم نے سر باہر نکالا۔ ''سپاہی ریاض احمد...... شاباش۔'' اس نے دروازہ بند کر دیا۔

UrduPhoto.com

"بارش ہو رہی ہے؟" نھا کرداس نے پوچھا۔ نعیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچتا ہوا بستر سیدھا کر رہا تھا۔ ساتھ کی دکان میں گانے والے سپاہی کی کرخت، غمگین، بھاری آواز چھوٹے چھوٹے سُر بناتی رات کے اتھاہ سناٹے میں گم ہو رہی تھی۔ بادل چھٹنے سے چاند سامنے آ گیا تھا اور گیلے پائن کی بوڑھی انگلیاں اور لمبے نوکدار پتے روشن آسمان کے مقابل سیاہ اور ساکت تھے اور ان پر سے پانی کے قطرے خاموشی سے نیچے پتھروں پر گر رہے تھے۔

نھا کرداس کمبلوں میں چلا اور بولا: "مگر میرے دو بچے ہیں۔"

"مت سوچو...... مت سوچو،" نعیم نے بستر میں دھنستے ہوئے کہا۔

"رات بہت گزر گئی ہے۔"

دوسرے دن وائیپرس پر جرمن حملہ شروع ہوا جو آخیر نومبر تک رہا۔ آرکس سے نمبر 129 بلوچ رجمنٹ (ڈیوک آف کناٹس اون، 7th فیروز پور بریگیڈ) مارچ کر کے بیلوان تک پہنچی۔ وہاں جنرل فرنچ اپنی سیاہ کار میں آیا اور فیروز پور بریگیڈ کو سیکنڈ کیولری ڈویژن سے جا کر ملنے کے احکام جاری کیے۔ اسی شام کو رجمنٹ موٹر لاریوں میں سوار ہو کر رات کے وقت سینٹ الوئی پہنچی اور بریگیڈیئر جنرل وائمن کے حوالے کر دی گئی جو تھرڈ کیولری بریگیڈ (سیکنڈ کیولری ڈویژن) کی کمان کر رہا تھا۔

[illegible] 5th اور 16th [illegible] سنبھالا۔ کیولری کے دستے وشٹ اور زندوورد کے درمیان کے سارے علاقے پر چھائے ہوئے تھے۔ دایاں بازو پلوگ سٹریٹ کے جنگل کے شمال مشرقی کونے کی آڑ میں تھا۔ یہ خوب صورت اور خاموش جنگل شمال کی طرف دور تک پھیلتا ہوا چلا گیا تھا۔ آگے جا کر سرسبز پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا جس پر جنگل یوں چڑھ گیا تھا جیسے ہاتھیوں کا لشکر ہموار زمین پر چلتے چلتے ایک دم پہاڑ پر چڑھنے لگے اور چوٹی تک چلا جائے۔ تمام جو بھی کاٹا جاتا ہو گا، بے تحاشا اگا ہوا تھا اور اس میں جھڑے ہوئے زرد پتے اٹکے تھے۔ یہ خزاں کا موسم تھا۔

جنگل کے شمال مشرقی کونے سے پندرہ قدم ہٹ کر کھلی جگہ میں انہوں نے مشین گن نصب کیں۔ انہیں مورچوں میں ان سے پہلے 5th اور 16th لانسرز پڑے تھے اور ان کے چھوڑے ہوئے راشن کے خالی ڈبے، ٹوٹے ہوئے سخت بسکٹ، کاغذ کے ٹکڑے اور جلے ہوئے سگریٹ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ نھا کرداس اور نعیم نے اپنے سیکشن کو مورچوں میں جمایا، گنوں کو آہنی ٹانگوں پر باندھا اور آٹھ آٹھ جوان ہر دو مشینوں پر مقرر کیے۔ اسی خندق میں دو اور سیکشن بیس بیس گز کے فاصلے پر مورچے سنبھالے ہوئے تھے اور ان کی چار مشین گنیں پہلے سے کھدی ہوئی بنیادوں پر نصب تھیں۔ شمالی محاذ پر جرمن حملہ شروع ہو چکا تھا اور توپ خانے کے فائر کی مسلسل آواز جنوبی مورچوں تک آ رہی تھی۔ ان سے آگے زیریں سطح پر واقع خندقوں میں کیولری کے دستے تھے۔ سیکنڈ کیولری ڈویژن نہر کے پل اور ہولی بیک کے مشرقی بازو کے درمیان ساڑھے تین میل لمبے رقبے کو گھیرے ہوئے تھا۔

خندقیں ایک سے ڈیڑھ میل تک لمبی تھیں۔ تھرڈ بریگیڈ بائیں بازو پر تھا۔

سورج تمام دن ان کے آہنی خودوں پر چمکتا رہا اور وہ خندقوں میں سر چھپائے احکام کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ خندقیں گیلی اور سرد تھیں اور ان میں عجیب و غریب شکلوں والے ننھے ننھے کیڑے رینگ رہے تھے۔ ٹھاکر داس نے خود اتار کر گھٹنے پر رکھا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''حوالدار نور محمد کہاں ہے؟'' نعیم نے پوچھا۔

''آؤٹ پوسٹ پر ہے۔'' ٹھاکر داس نے آہستہ سے ایک کیڑا اٹھا کر خود پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کہاں پر؟''

''رجمنٹل ہیڈ کوارٹر سٹاف کی عمارت۔ چوٹی کی منزل۔''

''اگر مجھے مل جائے تو کچا چبا جاؤں۔'' نعیم نے سخت غصے میں مشین گن کی ٹانگوں پر ٹھوکر ماری۔ ''کہہ رہا تھا آج صبح ہم ضرور حملہ کریں گے۔''

ٹھاکر داس خفگی اور طنز سے ہنسا۔ ''ہر کوئی اپنے کو بریگیڈیئر جنرل واٹسن سمجھتا ہے۔'' پھر وہ خود پر چلتے ہوئے کیڑے سے کھیلنے لگا۔ ''ہم حملہ نہیں کریں گے۔''

''کیوں؟''

''جرنیل [illegible]''

''تم بھی بریگیڈیئر جنرل واٹسن ہو۔''

''ایں؟ تمہاری طبیعت اب کھلنے لگی ہے' بچے۔''

سامنے اونچی نیچی زمین پر سورج غروب ہو رہا تھا اور غیر کاشت شدہ پتھریلی زمین مٹی کے رنگ کی تھی۔ خشک ٹہنیوں اور زمین کی ہم رنگ گھاس کی اوٹ میں خندقوں کے اندر ہزاروں سپاہیوں کے بیک وقت سرخ اور زرد' مشتاق اور مضطرب' اعصابی چہرے ساکن تھے اور خوف زدہ ہوشیار آنکھوں میں انتظار کی تھکن نمایاں تھی۔ ان سب کے کان شمال کی طرف لگے ہوئے تھے جہاں سے ہلکی ہلکی' بادل کے گرجنے کی سی' توپ خانے کی آواز آ رہی تھی۔ سامنے تقریباً ایک میل پر دشمن کے مورچوں میں حرکت ہو رہی تھی۔

''بھنچود......'' نعیم نے گالی دے کر بوٹ کی ایڑی سے کیڑوں کی پوری قطار کچل دی۔

ٹھاکر داس بسکٹ چبا رہا تھا۔ اس نے چند بسکٹ خود میں ڈال کر نعیم کی طرف بڑھائے۔

''مجھے بھوک نہیں۔'' اس نے خفگی سے کہا اور کمر سے چھاگل کھول کر پانی پینے لگا۔

''اپنا پانی مت ختم کرو۔ مورچے میں دو چیزوں کی بڑی قیمت ہے۔ بارود اور پانی۔ بعض اوقات تو یوں ہوتا ہے کہ دشمن کو ختم کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کی چھاگل تلاش کرنی پڑتی ہے۔''

نعیم کا دماغ ایک بے وجہ غصے اور تکان کی گرفت میں تھا۔ اس نے جواب دیے بغیر کیڑوں کو کچلنا جاری رکھا۔

ٹھاکر داس گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ "ریاض پیٹیاں لے آئے؟"

"لے آیا۔"

"گل محمد اب تم جاؤ۔" اس نے حکم دیا۔ "حملے کے اندر اسی طرح بارود کے لئے دوڑنا پڑے گا۔ ریاض اور رام لعل، تم انہیں خالی کر کے پھر سے بھرو۔ ڈھائی سو راؤنڈ تین منٹ میں نکلتا ہے۔ خالی مت بیٹھو، مشق کرو۔ خالی بیٹھے بیٹھے تم ایک دوسرے کو قتل کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگو گے۔"

اس نے انکھیوں سے نعیم کی طرف دیکھا جو بینٹ کو چوڑا کر کے کیڑوں پر مار رہا تھا۔

"مت مارو انہیں۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "اپنے مورچے میں مت کسی کو مارو۔ میدان جنگ کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔"

نعیم نے بینٹ کی مدد سے مرے ہوئے کیڑوں کو چھوٹے سے ڈھیر میں اکٹھا کیا اور گھٹنوں کے بل اٹھ کھڑا ہوا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ خندق کی دیواروں اور مشین گنوں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے سپاہیوں کے خود زمین کی سطح پر نظر آ رہے تھے۔ گل محمد گھسٹتا گھسٹتا توپ خانے کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اس نے رک کر لیٹے لیٹے سیلوٹ کیا۔ کمپنی کمانڈر کیپٹن ڈل جواب دیتا ہوا قریب سے گزرا۔ آگے جا کر کیپٹن نے ایک لمبے اور پتلے انگریزی آرٹلری آفیسر سے کوئی بات کی اور پھر سیدھا ان کے مورچوں کی طرف آیا۔ باری باری اس نے ساری مشین گنوں پر [illegible]

"شاباش جوانو۔ ڈٹے رہو۔ کل ہم حملہ کریں گے۔" جاتے جاتے وہ ایک پیکٹ سگریٹ ٹھاکر داس کی طرف پھینک گیا۔

"کل حملہ کریں گے...... یہ تیسری بار ہے۔ گپ مارنے میں آتا ہے۔" ٹھاکر داس نے کہا۔

دونوں نے سگریٹ سلگائے۔ باقی پیکٹ ٹھاکر داس نے سپاہیوں کی طرف اچھال دیا۔ وہ آنکھیں چمکا کر سگرٹوں کی طرف لپکے۔

"پر اب سر نہ اٹھے لونڈو۔" اس نے تنبیہاً کہا۔

"رات کے لئے ہمیں اور سگریٹ چاہئیں۔" نعیم نے کہا۔

"رات کے لئے تمہیں عورت بھی چاہئیں، ایں؟" وہ کھردرے پن سے ہنسا۔

"سگریٹ تو ہیں۔ اتنے خوش کیوں ہو رہے ہو۔"

وہ خاموش بیٹھے سگریٹ پیتے رہے۔ ٹھاکر داس نے پیٹھ پر سے تھیلا اتارا اور سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ آسمان پر اکا دکا ستارے نکل آئے تھے اور مغرب کی طرف سے بادل اٹھ رہا تھا۔

"میری بات کا غصہ مت کرو۔" ٹھاکر داس نے کہا۔ "میں نے بڑی خندقیں دیکھی ہیں۔ میں سپاہی تھا۔ مجھے پتہ ہے کہ سپاہیوں کو بھی سگرٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خندق بڑی خطرناک جگہ ہے۔ یہاں سپاہیوں کی دیکھ

UrduPhoto.com

بھال پالتو جانوروں کی طرح کرنی پڑتی ہے۔ مجھے حکم دینا ہے اور انہیں لڑنا ہے اور مرنا ہے۔ لیکن جب حملہ شروع ہوگا تو وہ خود اپنے انچارج ہوں گے' اور گنوں کے اور میدان جنگ کے انچارج ہوں گے۔ اس بات کا انحصار کہ وہ کس طرح لڑتے ہیں اور کس طرح مرتے ہیں' اس وقت پر ہے۔ اس وقت پر نہیں۔ میں اپنی ڈیوٹی کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔'' وہ گیلی' نرم دیوار میں ناخن چبھوتا رہا۔ نعیم بڑھتے ہوئے اندھیرے میں غور سے اس کے چہرے کے مضبوط' کسی حد تک ظالمانہ نقوش کو دیکھتا رہا۔

''اور تمہیں پتہ ہے اس خندق میں ہمیں کب تک رہنا ہے؟ کسی کو پتہ نہیں۔ اگر تم ہنسو گے نہیں تو حملے سے پہلے ہی مر جاؤ گے۔ سنا؟'' ٹھاکر داس نے کہا۔

نعیم بے دلی سے ہنسا۔ خندق میں گہرا اندھیرا تھا۔ دوسری مشین گن کے پاس ایک سپاہی باریک دھیمی آواز میں کوئی دیہاتی گیت گا رہا تھا۔ دوسرے اس کے گرد بیٹھے سن رہے تھے۔ دو سگریٹ سلگتے ہوئے تھے اور وہ سپاہیوں کے دائرے میں باری باری گھوم رہے تھے۔ خندق کے اوپر تیز سرد ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی۔ بادل آدھے آسمان پر پھیل چکے تھے۔ شمالی محاذ کی طرف سے آنے والی توپ خانے کی آواز بند ہو چکی تھی۔

ٹھاکر داس نے مونچھ کو جھکا کر دانتوں میں چبایا۔ ''نعیم یہ موسم دیکھتے ہو؟''

''ہوں۔''

''اس موسم میں میں اور وہ عورت شادی کرنے کے لیے گاؤں سے بھاگے تھے۔ حیرت کی بات ہے۔ ہو بہو ایسا بادل تھا۔''

UrduPhoto.com

نعیم نے آنکھیں کھول کر اندھیرے میں اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ چند لمحے کے اندر اندر نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہوگئی اور اس کے معدے میں ایک پراسرار' بدمزہ سا بھاری پن پیدا ہوا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ اس شخص سے جو اس کا افسر ہے اور تاریکی میں خندق کی دیوار کے ساتھ لیٹا ہوا ہے' انتہائی نفرت کرتا ہے۔ یہ وہ احساس تھا جو کئی دن سے آہستہ آہستہ اس کے دل میں پیدا ہو رہا تھا اور جس کی خاطر اس کا دماغ مستقل غیر یقینی' سست حالت میں کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت دفعتاً وہ احساس' خطرے اور کرب کی وجہ سے جاگے ہوئے دماغ میں ایک مکمل جذبے' ایک بڑے واضح تعصب کی شکل میں ظاہر ہو گیا تھا۔ بہت عرصے کے بعد پہلی دفعہ اس نے محسوس کیا کہ اس کے دماغ نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو کسی نامعلوم قوت کے اثر سے چھڑا کر تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

اس نے نفرت سے خندق میں تھوکا۔ ''عورتوں کا ذکر کرنے کا اچھا موقع ہے۔''

ٹھاکر داس بھاری گلے سے ہنسا۔ نعیم نے منہ میں بدمزگی محسوس کی اور دوبارہ تھوکا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟''

نعیم نے انتہائی کوشش سے اپنے آپ پر قابو پایا۔ ''شاید تمباکو خراب تھا۔''

''ولایتی تمباکو تھا۔'' ٹھاکر داس نے کہا۔

دونوں خاموش بیٹھے اندھیرے میں جاگنے کی کوشش کرتے رہے۔

آدھی رات کے بعد بارش شروع ہوگئی اور متواتر چار گھنٹے تک ہوتی رہی۔ ترپالوں کے لئے سپاہی بھیجا گیا مگر وہ ختم ہو چکی تھیں۔ صرف توپ خانے والوں سے کینوس کے چند بستر بند حاصل ہو سکے جنھیں خیمے کی شکل میں خندق کے اوپر لگایا گیا اور پانی کو روکنے کے لئے بند بنائے جانے لگے۔ لیکن جب بارش تھمی تو خندق میں چھ چھ انچ پانی بھر چکا تھا۔ انہوں نے راشن کے خالی ڈبوں سے پانی نکالنا شروع کیا۔ سیکشن کمانڈر برساتی اور دستانے پہنے کنارے کنارے پھر رہا تھا۔ کبھی کبھی ٹھہر کر بات کرنے لگتا: ''شاباش جوانو۔ آواز نہ نکلنے پائے۔ شاباش۔''

چاروں طرف ڈبوں کے زیر آب ڈوبنے اور پانی کے بہنے کی دھیمی آوازیں آ رہی تھیں۔ صبح سے پہلے کی گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور پانی میں چھپاکوں کی آواز تیز ہوتے ہوتے دور تک جا رہی تھی۔ سپاہیوں کے لمبے فوجی کوٹ بھیگ چکے تھے۔ ان کے بوٹوں میں پانی گھس گیا تھا اور وہ سردی سے کانپ رہے تھے۔ دشمن کے مورچوں کی طرف سے گڑگڑ کی جانی پہچانی آواز آنی شروع ہوئی اور دور آسمان میں ننھی سی برق سی رینگنے لگی۔

''وہ آ گیا۔'' زیر لب بہت سی آوازیں آئیں۔ سارے سپاہی ایک ساتھ سر کے بل خندق میں گرے۔ ان کے کانوں اور نتھنوں میں کیچڑ گھس گیا اور انگلیاں گرم کیچڑ میں دھنس گئیں۔ مچھلیوں کی طرح اوندھے منہ کیچڑ میں وہ اس وقت تک پڑے رہے جب تک کہ ہوائی جہاز خوف ناک آواز پیدا کرتا ہوا اوپر سے گزر نہ گیا۔

''اچھا ہے کہ ہمارے پاس خراب ہونے کو کچھ بھی نہیں۔'' اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے ٹھاکر داس ہنسا۔

''اوہ ٹھیک ہے نا۔'' کیپٹن ڈل اپنی برساتی پر سے کیچڑ صاف کرتا ہوا ہلکے سے ہنسا۔ ''میرے اوپر مت ہنسو۔ ہو سکتا ہے میں تم سے پہلے مر جاؤں۔''

صبح ہونے تک خندقوں میں صرف کیچڑ رہ گیا تھا۔ پھونکیں مار مار کر گیلی لکڑیوں کو جلایا گیا۔ لیکن دھواں اٹھنے پر فوراً بجھا دیا گیا۔ جو پانی نیم گرم ہوا اسی سے سپاہی چائے بنا کر پینے لگے۔ بے خوابی اور دھوئیں کی وجہ سے ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

''تم نے الگ چولہا کیوں بنایا ہے؟'' ٹھاکر داس نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔''

''دھواں اٹھ رہا ہے۔ اسے بجھا دو۔ اور کوٹ سوکھنے کو پھیلا دو۔ پھیپھڑوں کو سردی لگ جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' نعیم نے پتھریلے لہجے میں دہرایا۔

''ٹھیک ہے؟ کیا ٹھیک ہے؟'' ٹھاکر داس غصہ دباتے ہوئے بولا۔

نعیم پیٹھ موڑے گیلے ایندھن میں پھونکیں مارتا رہا۔